

قرآنی اصطلاح "سنت اللہ": مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ

Quranic Term "Sunnah Allah": Analytical Study of Moulana Abu Alkalaam Azaad's Thoughts**Dr. Muti ur Rehman**

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt. Islamia Graduate College, Gujranwala

Email: mutimashhadi@gmail.comORCID: <https://orcid.org/0000-0002-5223-0313>**Dr. Sumera Rabia**

Assistant Professor, Islamic Studies department, GCWomen University, Sialkot.

Email: sumera.rabia@gcwus.edu.pkORCID: <https://orcid.org/0000-0002-3499-6884>**Dr. Aamir Hayat**

Assistant Professor, Islamic Studies department, GCWomen University, Sialkot.

Email: aamirhayat5817@gmail.comORCID: <https://orcid.org/0000-0002-7857-6929>**ABSTRACT:**

Maulana Abul Kalam Azad is a prominent Muslim thinker in the scholarly tradition of the subcontinent, especially in the explanation of the Holy Qur'an. The way in which you have attracted the Muslims of Pakistan to look at the Holy Qur'an is incredible. He spent all his power in explaining the teachings of the Holy Qur'an and its many important terms in detail and especially attracted the youth of the nation to study the Qur'an. One of the most important terms in the Qur'an is "Sunnah Allah" which you tried to clarify from all dimensions by applying it to the important events of human history and especially to the important corners of Muslim history. This article deals with the intellectual thoughts of Moulana Abu al Kalaam Azad about Quranic Terminology and analyze his opinion about Sunnatuallah.

Keywords:

Tradition, Quranic Studies, Sunnah Allah, Muslim History, Intellectual.

برصغیر کی علمی روایت میں خصوصاً قرآن حکیم کی شرح و توضیح میں مولانا ابوالکلام آزاد ایک نمایاں مقام کے حامل مسلم مفکر ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کو جس منہج و مقام سے دیکھنے کی طرف پاک و ہند کے مسلمانوں کو متوجہ کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور اس کی کئی اہم اصطلاحات کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے میں اپنا

پورا زور کلام صرف کیا اور خصوصاً جو انسانِ ملت کو مطالعہ قرآن کی طرف راغب کیا۔ انہی قرآنی اصطلاحات میں سے ایک اہم ترین اصطلاح "سنت اللہ" بھی ہے جسے آپ نے پوری جہات (Dimensions) سے واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اسے انسانی تاریخ کے اہم واقعات اور خاص طور پر مسلم تاریخ کے اہم گوشوں پر منطبق کر کے اس کے اصول و ضوابط کو عملی شکل میں پیش کیا اور اسی کی روشنی میں مسلمانوں کے مستقبل کی راہیں بھی متعین کیں۔ زیر بحث مضمون میں مولانا آزاد کے قرآنی اصطلاح سے متعلق علمی و فکری مباحث کی روشنی میں ان کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سنت اللہ ایک معروف قرآنی اصطلاح ہے جسے قرآن مجید میں ان تمام قوانین و قواعد کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے افراد و اقوام کے بارے میں مقرر فرمائے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کے مطابق سنت اللہ دراصل اللہ کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ اور راستہ ہے۔ چنانچہ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: سنة الله تعالى قد تقال لطريقة حكمته وطريقة طاعته.¹ (سنت اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی حکمت و اطاعت کا طریقہ ہے۔)

امام زرخشری سنن الہیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: یرید ما سنہ الله في الأمم المكذبین من وقائعہ.² (اس سے اس کی مراد اللہ کے واقعات ہیں جو اس نے جھٹلانے والی امتوں میں جاری کیے۔) علامہ رشید رضا اپنی تفسیر 'المنار' میں سنت اللہ کی تعریف قدرے تفصیل سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ خدائے بزرگ و برتر کا ایک نظام ہے جو اقوام و ملل اور افراد و امم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان سے معاملات کیے جاتے ہیں۔ اور اس نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی:

"فالسنن هي النظام الذي جرى عليه أمر الأمم، وان ما يقع للناس في كل زمان وفي كل مكان من الوجود في شؤون اجتماعهم وحياتهم مطابق لتلك السنن التي لا تتحول ولا تتبدل".³

(سنن الہیہ وہ نظام ہے جس کے مطابق امتوں کا معاملہ جاری ہوا۔ ہر زمانے اور ہر جگہ میں لوگوں کے معاشرتی معاملات میں جو رونما ہوتا ہے وہ ان سنتوں کے مطابق ہے جن میں کوئی تبدیلی اور تغیر رونما نہیں ہوتا۔)

سنن الہیہ کی ایک جامع تعریف الدکتور عبد الکریم زیدان⁴ (1917ء-2014ء) کی نظر میں یہ ہے:

"هي الطريقة المتبعة في معاملة الله تعالى للبشر بناء على سلوكهم وأفعالهم وموقفهم من

شرع الله وأنبيائه وما يترتب على ذلك من نتائج في الدنيا والآخرة".⁵

(سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو انسانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کے متعلق جاری ہے،

انسانوں کے طور طریق، کردار اور ان کے رویوں کی بنیاد پر اللہ کی شریعت، اس کے پیغمبروں کے

ساتھ نیز دنیا اور آخرت میں جو اس پر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔)

گویا علماء کے ہاں سنت اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ انسانوں سے متعلق خدا کا مقرر کردہ قاعدہ اور ضابطہ ہے جو ناقابل تغیر ہے اور اسی سنت خداوندی کا اطلاق ہمیں گزشتہ اقوام کی تاریخ کے مطالعے سے ملتا ہے جن میں سے بعض کی طرف قرآن مجید بھی رہنمائی کرتا ہے۔

اس موضوع کی تفہیم و تعین کے سلسلے میں برصغیر کی علمی روایت کا جائزہ لیا جائے تو ایک بہت نمایاں اور بڑا نام مولانا ابوالکلام آزاد (1888-1958ء) کا ہے۔ مولانا ملت اسلامیہ کی ایک جلیل القدر عبقری شخصیت تھے۔ آپ نے بے پناہ سیاسی مصروفیات کے باوجود علمی و فکری اور ادبی و تاریخی موضوعات پر نہایت بلند پایہ تصنیفی خدمات سر انجام دیں۔ مولانا کی تمام تر علمی و فکری کاوشیں قرآن کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں یہی وصف انہیں اپنے معاصر مفکرین میں نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔

معروف فلسفی اور دانش ور جناب احمد جاوید نہایت جامع انداز میں مولانا کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابوالکلام، برصغیر کی حد تک غالباً پہلے آدمی تھے جنہوں نے امت مسلمہ کی بنیادی ساخت کا قرآن کی روشنی میں تعین کیا اور اس کی شکست و ریخت کے اسباب اور امکانات کی پوری قطعیت کے ساتھ نشاندہی کی اور پھر یہیں رکے نہیں بلکہ اپنے قول و عمل میں وہ راستے بھی دکھائے جن پر چل کر زوال کی راہ روکی جاسکتی ہے۔ اس کام کے لئے جس آفاقی انداز نظر، تاریخی بصیرت، قوت عمل اور بلندی کردار کی ضرورت تھی، وہ ان سب سے بہرہ ور تھے۔ روایتی علما ہوں یا جدید دانشور، مولانا سب کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ یہ جامعیت جس نے انہیں اپنے زمانے کے مفسروں، محدثوں، فقہاء، متکلمین اور علمائے لغت کے ساتھ ساتھ فلسفہ، تاریخ، سیاست، شعر و ادب، صحافت وغیرہ کے ماہرین کا مقتدا بنا رکھا ہے، سچ پوچھیں تو صدیوں میں کسی ایک شخص کو نصیب ہوتی ہے۔"⁶

مولانا آزاد اپنی مختلف تصانیف میں خدا کی مختلف سنتوں کو اپنے مخصوص ادبی پیرائے میں بڑے جاندار انداز میں بیان فرماتے اور اس کی مختلف جہتوں اور پرتوں کو واضح کرتے ہوئے انہیں خدا کا اٹل قانون ثابت کرتے ہیں۔ مولانا کے ہاں "قانون" کی اصطلاح خاص طور پر سنت اللہ کے بیان میں ان کی تصانیف میں بکثرت نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ اقوام و ملل کے بارے میں اللہ کی سنت کے حوالے سے خاص اس موضوع پر ان کی تصنیف "قرآن کا قانون عروج و زوال" موجود ہے جس میں قوموں کے عروج و زوال سے متعلق سنن الہیہ کو نہایت عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جس طرح مولانا سنت اللہ کے موضوع کو اپنی تفسیر ترجمان القرآن اور دیگر گراں قدر تصانیف میں بار بار اور موقع بہ موقع بیان کرتے ہیں، اس قدر اہتمام کے ساتھ اس موضوع کو برصغیر کی علمی روایت میں موضوع بحث نہیں لایا گیا۔ مزید یہ کہ انہوں نے اس قانون الہی کو مختلف نئی اصطلاحات میں ڈھال کر پیش کیا۔ چنانچہ مولانا سنت اللہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جس طرح عالم انسانی و مادی کے لئے ایک قانون طبیعت ہے اور اشیاء کے خواص و آثار ہیں جو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پانی ڈوبتا ہے، آگ جلاتی ہے، زہر کی یوست ہلاکت کا باعث ہوتی ہے، صالح غذا سے جسم نشوونما پاتا ہے، ٹھیک اسی طرح عالم معنویات کے لئے بھی ایک قانون طبیعت ہے، اور اشیاء کی طرح عقائد و اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں، جو کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے۔ باطل کے لئے ہمیشہ مٹنا ہے اور حق کے لئے ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ اصلاح کا نتیجہ ہمیشہ زندگی ہے، ظلم و جور ضرور ہے کہ جب کبھی ہو، بالآخر شکست کھائے اور عدل و صداقت کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی ہو، فتح پائے۔ قرآن حکیم نے اسی قانون معنوی کو جا بجا سنت اللہ اور فطرۃ اللہ کے لفظوں سے تعبیر کرتا ہے۔" ⁷

سنت اللہ کے متعلق مولانا کی توضیحات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سنت اللہ کا مفہوم اور اس کا دائرہ کار نہایت وسیع ہے۔ ان کے نزدیک قوانین فطرت اور سنن الہیہ ہم معنی ہیں۔ سنت اللہ اور فطرت اللہ کی معنوی مناسبت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام فی الحقیقت سنت اللہ اور فطرت اللہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر نوع انسانی کی سعادت و ارتقاء کے لئے قانون اسلام اسی فاطر السموات و الارض کا بنایا ہوا ہے جس نے تمام کائنات کے لئے قانون حیات بنایا تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتی جزء نظر آئے جیسے زنجیر کی ایک کڑی۔" ⁸

مولانا کا استدلال مندرجہ ذیل آیت قرآن سے ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾⁹

(تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے۔)

گویا کہ مولانا، سنت اللہ کو 'قانون' کے معنی میں لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں مذکور لفظ الدین کو بھی وہ قانون کے معنوں پر منطبق کرتے ہیں۔ گویا سنت اللہ ان کے ہاں دین کے معنوں میں بھی وارد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر لفظ "الدین" قانون کے معنوں میں آیا ہے۔ لہذا مولانا ابوالکلام آزاد قرآن کے لفظ "الدین" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مذہب اور قانون کے لئے بھی "الدین" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ مذہب کی بنیاد اعتقاد مکافات عمل کا اعتقاد ہے اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے"¹⁰

ایک اور مقام پر "الدین القیم" کی ترکیب کی وضاحت بھی انہی معنوں میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ کہتا ہے کہ یہی راہ عمل نوع انسانی کے لئے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے اور فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی الدین القیم ہے یعنی سیدھا اور درست دین۔ جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں، یہی دین حنیف ہے جس کی دعوت ابراہیم علیہ السلام نے دی اسی کا نام میری اصطلاح میں الاسلام ہے یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرمان برداری۔¹¹

مولانا اپنی اس بات کا استنباط مندرجہ ذیل آیات کی روشنی میں کرتے ہیں:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾¹²

(تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے۔)

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾¹³

(اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔)

ایک اور مقام پر مولانا نے اسلام کو بھی قانونِ فطرت کے ہم معنی بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"قرآن کہتا ہے کہ یہی راہِ عمل جو اس نے مقرر کی ہے، دوسرے قوانینِ فطرت کی طرح نوعِ انسانی کے لئے ایک قانونِ فطرت ہے اگر تم اس سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس پر چلو۔ یہ خدا کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہی فطری دین ہے ایسا قانون ہے جس میں کسی کے لئے تبدیلی نہیں ہوتی ایسا دین ہے جسے تمام انبیاء نے اختیار کیا اور تبلیغ کی یہی وہ مذہب ہے جس کو قرآن "اسلام" کا نام دیتا ہے یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرمانبرداری کا راستہ۔"¹⁴

ایک مقام پر لکھتے ہیں

"وہ کہتا ہے، امم، ملل، اقوام اور جماعات کا اقبال وادبار ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی قانون سے وابستہ ہے۔ وہ اس سے مستثنیٰ نہیں، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جو قانون کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ اور ہر ذرہ میں اپنا عمل کر رہا ہے، وہ یہاں آکر بے کار ہو جائے۔ جس قانون کی وسعت و پنہائی سے کائنات کا کوئی ذرہ باہر نہ ہو اقوام و امم کا عروج و اقبال اور نزول و ادبار اس سے کیوں کر رہ جائے۔ وہ کہتا ہے یہاں بھی وہ قانون کام کر رہا ہے۔ قوموں اور جماعتوں کے گذشتہ اعمال ہی ہیں جن سے ان کا حال بنتا ہے اور حال کے اعمال ہی ہیں جو ان کا مستقبل بناتے ہیں۔"¹⁵

ایک جگہ سنت اللہ کو حدود اللہ کے ہم معنی قرار دیتے ہیں اور حدود اللہ کو محدود فقہی دائرے سے نکال کر پوری کائنات میں جاری و ساری قوانینِ خداوندی پر منطبق کرتے ہیں۔ حدود اللہ کا یہ وسیع تناظر برصغیر کے تفسیری ادب میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ چنانچہ پوری کائنات میں کارفرما، خدائی فرامین و قوانین کو حدود اللہ میں شامل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر اسی طرح اور تمام اجرام سماویہ کو دیکھو اور ان کے افعال و خواص کا مطالعہ کرو۔ ان کے طلوع و غروب، ایاب و ذہاب، حرکت و رجعت، جذب و انجذاب، اثر و تاثر اور فعل و افعال کے لئے جو

قوانین رب السموات نے مقرر کر دیے ہیں، کس طرح ان کی اطاعت و انقیاد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہی قوانین ہیں جن کو قرآن حکیم حدود اللہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور یہی دین ہے جو تمام نظام کائنات کے لئے بمنزلہ مرکز قیام و حیات ہے۔ عالم ارضی و سماوی کی کوئی مخلوق نہیں جو اس دین الہی کی پیروی نہ ہو اور آفتاب سے لے کر خاک کے ذرے تک کوئی نہیں جو اس کی اطاعت سے انکار کرے"۔¹⁶

کائناتی نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے لئے انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ قوانین قدرت کے ماتحت ہو کر رہے:

"کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اجرام سماویہ سے لے کر درختوں اور پتھروں تک کوئی چیز نہیں جس کے لئے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھہرا دیے ہوں اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ چل رہا ہو۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایک پتہ اور پہاڑ کی ایک چٹان کے لئے بھی کسی کے ٹھہرائے ہوئے احکام ہیں تو کیا انسان کے لئے نہیں ہوں گے جو کرہ ارضی کے تمام سلسلہ خلقت کا ماحصل اور تمام کارخانہ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے"۔¹⁷

مولانا آزاد، خدائی قانون جزا کو کہیں مجازاتِ عمل، کہیں مکافات اور کہیں قانونِ مکافات کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بات خدا کے نظام حکمت و قدرت ہی کے خلاف ہے کہ کوئی انسانی سرگرمی یا کوئی فعلِ بشر نتائج و اثرات سے خالی ہو اور انسانی معاملات و متعاملات بے ثمر و بے نتیجہ رہیں۔

"کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ ممکن نہیں یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلہ سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں اسی طرح روح انسانی کے لئے بھی قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا جاتا ہے"۔¹⁸

قرآن مجید مکافاتِ عمل کی بڑی واضح و صریح مثالیں اقوام گزشتہ کے حالات و واقعات کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ قومِ سبا کے حوالے سے اس قانونِ الہی کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قوم سبا کا قصہ بھی مکافاتِ عمل پر بہت بڑی دلیل ہے اور اس قصہ کو آیت کہنا بایں معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی انسان شکر گزاری کرے تو اللہ کی طرف سے مزید نوازشات ہوتی ہیں۔ اور اگر کفرانِ نعمت پر اتر آئے تو یہ گویا عذابِ الہی کو دعوت دینا ہے۔ اور قصہ قوم سبا اس پر بڑی شہادت ہے۔" ¹⁹

مکافاتِ عمل کو ایک اور ترکیب 'قانونِ مکافات' سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ الانبیاء کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"انبیاء اور بعض گزشتہ قوموں کے انجام کی طرف پے در پے اشارات کیے ہیں، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات برابر کام کرتا رہا ہے اور نیکو کاروں کے لئے انعام اور ظالموں کے لئے سزا کی مثالیں مسلسل پائی جاتی ہیں۔ جب دنیا میں مکافاتِ عمل کا سلسلہ جاری ہے تو طبعی نظام کے ختم ہو جانے کے بعد اعمال کے نتائج کا کامل طور پر ظہور نہایت ضروری ہے۔" ²⁰

مولانا قرآن کی روشنی میں ایک اور سنت اللہ کو بقائے نفع یا بقائے صلح کی اصطلاح سے بیان کرتے ہیں۔ اس سنت اللہ کے بارے میں ان کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں قومیں مٹی رہی ہیں، اور نئی قومیں ابھرتی رہی ہیں۔ ان قوموں کے ابھرنے اور ان کے مٹنے کے پس پردہ خدا کا جو قانون کار فرما ہے وہ بقائے نفع یا بقائے صلح کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔ مولانا چونکہ تاریخِ انسانی پر بھی گہری بصیرت اور عمیق نظر رکھتے تھے، اسی لیے خاص اسی سنت اللہ کی تفہیم و توضیح کے موضوع پر ان کی باقاعدہ کتاب "قرآن کا قانونِ عروج و زوال" منصفہ شہود پر آئی اور اس سنت اللہ کی مختلف جہات پر خوب روشنی ڈالی۔

سورۃ الرعد کی تفسیر کرتے ہوئے اقوامِ عالم سے متعلق اللہ تعالیٰ کی اس سنت جاریہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ کچھ بھی ہے، حق و باطل کی آویزش ہے۔ لیکن حق اور باطل کی حقیقت کیا ہے۔ کونسا قانون ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے۔ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ بقاءِ نفع کا قانون ہے۔ لیکن وہ کبھی لفظِ نفع کی بجائے لفظِ صلح استعمال کرتا ہے۔ لفظ دو ہیں معنی ایک ہے یعنی اللہ نے قانونِ ہستی کے قیام و اصلاح کے لئے یہ قانون ٹھہرایا ہے کہ یہاں وہ چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو۔ جس میں نفع نہیں وہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اسے نابود ہو جانا ہے کیوں کہ کائناتِ ہستی کا یہ بناؤ، یہ حسن، یہ ارتقا قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر اس میں خوبی کی بقا اور خرابی کے ازالے کے لئے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہ سکتا۔ یہ قوت کیا ہے، فطرت کا انتخاب ہے۔ فطرت ہمیشہ چھانٹی رہتی ہے۔ وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور برتری ہی باقی رکھتی ہے فساد اور نقص محو کر دیتی ہے۔" ²¹

ایک اور مقام پر اسی سنت کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہ انقلابات جو قوموں اور ملکوں میں ہوتے رہتے ہیں، یہ جو پرانی قومیں مرتی اور نئی قومیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں، یہ جو قومیں کمزور ہو جاتی ہیں اور کمزوروں اور ضعیفوں کو باوجود ضعف کے غلبہ کے سامان میسر آ جاتے ہیں، یہ تمام حوادث اسی حکمت اور قانون الہی کا نتیجہ ہیں جو تمام کائنات ہستی میں کار فرما ہے اور جس کا نام بقاء، صلح یا بقا، نفع کا قانون فطرت ہے"۔²²

چونکہ اقوام و ملل کو صالحیت کی بنیاد پر وراثت ارضی سے نوازا جاتا ہے، اس لئے صالحیت کی توضیح و تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہاں بھی یہ قانون کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصے میں ملک کی فرماں پذیری آتی ہے جو نیک ہوتے ہیں، صالح ہوتے ہیں۔ صلح کے معنی سنوارنے کے ہیں، فساد کے معنی بگڑنے اور بگاڑنے کے ہیں۔ صالح انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو سنوار لیتا ہے اور دوسرے میں سنوارنے کے استعداد پیدا کرتا ہے اور یہی حقیقت بد عملی کی ہے پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنوارنے اور سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے۔ ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے بن جاتے ہیں"۔²³

مزید لکھتے ہیں:

تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدل کے لئے ایک اجل مسمیٰ، یعنی ایک مقررہ وقت ہے جو نہی وہ وقت آیا احیاء و اجسام ظہور میں آگئے۔ نطفہ دیکھو، وہ اندرونی طور پر منتار ہتا ہے مگر ایک مقررہ وقت تک ارحام کے اندر چھپا رہتا ہے۔ اجسام نباتیہ کو دیکھو۔ ان کی زندگی کا جو ہر موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں۔ ابھرتا کب ہے؟ جب بارش کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز و نمو کا اعلان کر دیتی ہے۔ اس وقت کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے۔²⁴

بقائے نفع و بقائے صلح اور اجل مسمیٰ کے قوانین کے ساتھ ایک قانون کار فرما ہے جسے مولانا قانون تدریج و امہال کا نام دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ افراد و اقوام کو اپنی اصلاح کا پورا موقع عطا کرے تاکہ پوری طرح ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ اگر ان میں کوئی نیکی و خیر کی رُمق باقی ہو تو وہ خدا کی طرف لوٹ آئیں، اور اگر مہلت ملنے کے باوجود وہ راہ راست پر آنے کے لئے آمادہ نہیں تو بقائے نفع یا بقائے صلح کا قانون حرکت میں آجائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھاٹتی رہتی ہے، جو چیز نافع ہوتی ہے باقی رکھتی ہے، جو نافع نہیں ہوتی اسے محو کر دیتی ہے، ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ قرآن اسے قضا بالحق سے تعبیر کرتا ہے۔ کیا قضا بالحق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل فوراً نابود ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مادیات کی طرح معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے۔ قرآن مجید میں جابجا ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ منکروں نے پیغمبروں سے کہا، عذاب جلد لے کے آؤ اور جن نتائج و عواقب سے ڈرا رہے ہو وہ کیوں ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن کہتا ہے اگر کائنات ہستی میں اس حقیقت اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا جسے رحمت کہتے ہیں تو یقیناً یکایک ظاہر ہو جاتے۔ قانون رحمت کا مقتضی یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے اور توبہ، رجوع اور غفور گزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے۔" 25

مولانا ایک اور سنت اللہ کو "قیام حق کے قانون" کی صورت میں اخذ کرتے ہیں:

"قرآن جس حقیقت کو "حق" سے تعبیر کرتا ہے وہ محض کسی ایک گوشہ ہی کی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ وہ کہتا ہے، یہاں اصل تخلیق و تکوین "حق" اور قیام حق کا قانون ہے۔ اسی کا نام عدل و قسط بھی ہے۔ اور اسی پر تمام نظام کائنات قائم ہے۔" 26

مولانا چونکہ قوانین فطرت اور سنن الہیہ کو ایک ہی قانون کے دو پہلوؤں کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اس لیے ان کے ہاں قانون کی اصطلاح ہمیں قوانین فطرت کے بیان میں بھی جابجا نظر آتی ہے۔ کائنات میں جاری و ساری تحسین و آرائش کو بھی قانون الہی کے ضمن میں بیان کرتے ہیں:

"تخلیق بالحق کا مطلب یہ ہے کہ فطرت کائنات میں تحسین و آرائش کا قانون کام کر رہا ہے، جو چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا ایسا ہو کہ اس میں حسن و جمال اور خوبی و کمال ہو۔" 27

قرآن حکیم اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز جوڑے کی صورت میں تخلیق کی گئی ہے، مولانا اس تخلیقی پہلو کو قانون تزویج اور قانون تشنیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں:

"کائنات میں وہ قانون بھی کار فرما ہے جسے قرآن مجید نے قانون تزویج سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قانون تشنیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل یا متمائل ہونے کا قانون۔ کائنات

خلفت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو، تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی۔ ہر چیز میں جفت اور دودھ ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ رات کے لئے دن ہے، صبح کے لئے شام ہے، نر کے لئے مادہ ہے، مرد کے لئے عورت ہے، زندگی کے لئے موت ہے۔" ²⁸

اقوام و ملل کے بارے میں فوز و فلاح اور تباہی و ہلاکت کے بارے میں خدائی سنن کو "قانون سعادت و شقاوت یا قانون حیات و ممات کا نام دیتے ہیں۔ مولانا قطر از ہیں:

"دین الہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہونا ہے جو اس کے عمل کی کمائی ہے۔ یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے نجات و سعادت کے لئے کچھ سود مند نہیں۔" ²⁹

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"جس طرح ہر بات کے لئے فطرت کے مقررہ قانون ہوئے، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایک قانون ہوا۔ اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں عالمگیر اور غیر مبدل ہیں، اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے۔ قوانین فطرت میں تبدیلی نہیں۔ یہ طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے۔ یہ اعتقاد کہ آگ جلاتی ہے انسان کو صرف اتنی ہی بات سے حاصل ہو گیا کہ آگ نے ایک مرتبہ جلایا ہے۔ طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقرار کا اعتقاد پیدا کیا۔ یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا۔ اب ہمارے تمام علوم کا سنگ بنیاد ہی یہی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اعمال انسانی کے سلسلے میں یہ حقیقت معطل نہیں ہو گئی۔ پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں۔ ان کی بھی آبادیاں تھیں، قوتیں تھیں، شوکتیں تھیں، دنیا کی سیر کرو، مٹی ہوئی نشانوں کا کھوج لگاؤ پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل درآمد ہو چکا ہے۔" ³⁰

سورۃ الاحزاب میں بیان کردہ اس قانون خداوندی کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اوہام اور بد معاش قسم کے لوگوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیا جاتا، بلکہ پہلے تو انہیں روش بدلنے پر تنبیہ کی جاتی ہے اور پھر طاقت کے ذریعہ سے ان کا علاج کیا جاتا ہے۔ اور توراۃ میں بھی تقید ہے کہ مفسدوں کو اپنے اندر باہر کر دو۔" ³¹

تکلیفِ نفس کے حوالے سے قرآن حکیم، اللہ کی سنت یہ بیان کرتا ہے کہ وہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس قانون کی توضیح مولانا کے الفاظ میں یہ ہے:

"یہاں فطرت کا یہ قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔ ہر جان سے فطرت کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد و دیعت کردی گئی ہے۔" ³²

کمزور اور مظلوم قوموں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت کے قانون پر روشنی ڈالتے ہوئے سورۃ الشعراء کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قانون الہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر و کمزور سمجھتی ہیں، ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی و جہانداری کی وارث ہو جاتی ہیں۔" ³³

سنت کی تفہیم و تعین کے باب میں مولانا کے ہاں ایک اہم انفرادی پہلو یہ بھی ہے کہ وہ قوانین فطرت اور سنن الہیہ کو کئی مقامات پر ایک ہی معنوں میں رکھتے ہیں، ان میں فرق نہیں کرتے، وہ سنت اللہ کی طرح قوانین فطرت کو بھی غیر متبدل اور ناقابل تغیر تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس تناظر میں جب ہم معجزات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معجزات قوانین فطرت سے ہٹ کر دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً قانون فطرت میں توالد و تناسل کا سلسلہ یوں جاری و ساری ہے کہ ایک مرد وزن ہی کے ملاپ سے ایک بچہ پیدا ہو، لیکن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اس قانون سے ہٹ کر صرف ماں سے ہوتی ہے۔ ایک لاشی کا ایک جاندار سانپ کی شکل اختیار کرنا عام قانون فطرت کے موافق نہیں۔

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قوانین فطرت میں سنن الہیہ کے برعکس استثنائی صورتیں موجود ہیں۔ لیکن مولانا کے مختلف اقتباسات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دونوں قسم کے قوانین کے مابین فرق نہیں کرتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ معجزات پر پورے ایمانی شعور سے ایقان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ جبکہ سرسید کے ہاں بھی دونوں قوانین کو غیر متبدل اور غیر متحول سمجھا گیا، لیکن انہوں نے معجزات کی صورت میں قوانین فطرت کی استثنائی صورتوں کو ماننے سے انکار کیا، لہذا انہیں معجزات کی مادی تعبیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ کیوں کہ اس کاوش کے پس پردہ یہی فکر کار فرما تھی کہ قوانین کو نیہ یا فطریہ اور سنن الہیہ دونوں ہی غیر متبدل اور باقابل تغیر ہیں۔ ان دونوں قوانین کے مابین فرق کی وضاحت مولانا حمید الدین فراہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہیں گمان ہوا کہ سنت اللہ سے مخلوقات کے طبائع مراد ہیں۔ مثلاً آگ کے اندر یہ خاصیت ہے کہ وہ لوگوں کو جلادیتی ہے۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مخلوقات یا اشیا کے خواص تبدیل نہیں

ہوتے چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے معجزات کا انکار کر دیا، اور ان لوگوں کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے جنہوں نے طبائع کو سنت اللہ کہا ہے۔ اس لفظ کو سب سے پہلے اس مفہوم میں "رسائل اخوان الصفا" والوں نے استعمال کیا، پھر صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے ان کی پیروی کی حالانکہ قرآن مجید میں کسی لفظ کی تاویل اس کے استعمالات کے لحاظ سے ہونی چاہیے جبھی وہ صحیح تاویل ہوگی۔³⁴

اس کے باوجود مولانا آزاد کے ہاں معجزات کی تفہیم وہ نہیں جو سرسید کی فکر میں نظر آتی ہے حالانکہ سنت اللہ اور قوانین فطرت کے بارے میں دونوں کا نقطہ نظر بنیادی طور پر ایک ہے کہ دونوں ان کے مابین فرق روا نہیں رکھتے اور دونوں قسم کے قوانین کو غیر متبدل سمجھتے ہیں۔ اس بات کا واضح ثبوت مولانا آزاد کی اس تحریر سے ملتا ہے:

"ہمارے زمانہ کے بعض ماڈرن "مفسرین" جنہیں قرآن مجید میں معجزات کے ذکر سے شرم آتی ہے، اس آیت میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں کہ بنو نمل ایک قوم تھی جہاں سے حضرت سلیمان کا گزر ہوا تھا۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ پھر حضرت سلیمان کے علم کی خصوصیت کیا رہ گئی جسے بڑی اہمیت سے قرآن مجید نے ذکر کیا ہے اور تاریخی طور پر بھی اس نام کا کوئی قبیلہ ثابت نہیں کیا جاسکتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی متعجبانہ ہنسی اور ان کے احساس شکر گزاری کی اہمیت، جسے قرآن حکیم بیان کر رہا ہے، بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔"³⁵

سنت اللہ کی تفہیم کے سلسلے میں دوسری انفرادی حیثیت مولانا آزاد کی یہ سامنے آتی ہے کہ وہ سنت اللہ کو افراد کے حوالے سے بھی خوب بیان فرماتے ہیں جس کے شواہدان کی مختلف تصانیف و نگارشات میں جابجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ عام طور پر سنت اللہ کے حوالے سے مفکرین قرآن نے اقوام و ملل کے عروج و زوال کو ہی مد نظر رکھا ہے اور اسی تناظر میں قرآنی موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی جبکہ مولانا اسے ایک فرد کی زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق بھی قرار دیتے ہیں۔

اس ساری بحث کو ہم ان الفاظ میں سمیٹ سکتے ہیں کہ مولانا برصغیر کی دینی و علمی روایت میں قرآنی اصطلاح "سنت اللہ" کو نمایاں کرنے والی اہم ترین شخصیت ہیں۔ سنت اللہ کی تفہیم و تعین کے بارے میں ان کا ایک انفرادی موقف ہے۔ مولانا آزاد کے ہاں سنت اللہ کی تفہیم و تعین کا مکمل احاطہ ایک مختصر تحقیقی مضمون میں ممکن نہیں۔ تحقیق و تدوین کا موجود رجحان دیکھتے ہوئے شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ فی زمانہ مولانا آزاد کے سنت اللہ کے مفہیم، قرآنی مطالعات کی نئی جہات اور نئے زوایے سامنے لاسکتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے دیگر علمی و فکری کارناموں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

(References)

- 1- الراغب الصفحانی، حسین بن محمد بن مفضل، مفردات القرآن، دمشق: دار العلم 1992ء، ص: 244-245
- 2- زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجہ التاویل، دار لکتاب العربی، بیروت، 1406ھ، ج: 1، ص: 417
- 3- رشید رضا، محمد، تفسیر المنار، دار المعرفۃ، بیروت، ج: 4، ص: 139
- 4- الدکتور عبد الکریم زیدان عراق میں پیدا ہوئے۔ 1962 میں جامعہ ازہر سے امتیازی درجے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ عراق کے وفاقی وزیر ہونے کے علاوہ کئی دیگر اہم تعلیمی و انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ فقہ اور قانون اسلامی آپ کو خاص درک حاصل تھا۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کے رکن بھی رہے۔
- 5- عبد الکریم زیدان، السنن الالہیہ فی الامم والجماعات والافراد فی الشریعۃ الاسلامیہ، دار الفکر العربی، بیروت، ص: 13
- 6- آزاد، ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج و زوال، مکتبہ جمال، اردو بازار لاہور، 2007ء، ص: 10
- 7- آزاد، ابوالکلام، مولانا، خطبات آزاد، سہتیہ اکادمی، دہلی، انڈیا، ص: 101
- 8- آزاد، ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج و زوال، ص: 62
- 9- سورۃ الروم: 30
- 10- ابوالکلام، آزاد، ام الکتاب، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور، 1991ء، ص: 290
- 11- ام الکتاب، ص: 291
- 12- سورۃ الروم: 30
- 13- سورۃ الشوری: 13
- 14- آزاد، ابوالکلام، تصورات قرآن، مکتبہ جمال، اردو بازار لاہور، 2007ء، ص: 133
- 15- ایضاً
- 16- آزاد، ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج و زوال، ص: 33
- 17- آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج: 2، ص: 590
- 18- ایضاً، ج: 1، ص: 156
- 19- ایضاً، ج: 3، ص: 240
- 20- آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج: 3، ص: 394
- 21- آزاد، ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج و زوال، ص: 101

- 22۔ آزاد، ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج و زوال۔ ص: 103
- 23۔ ایضاً۔ ص: 100-101
- 24۔ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج: 2، ص: 602
- 25۔ ایضاً، ج: 3، ص: 158
- 26۔ ایضاً، ج: 2، ص: 620
- 27۔ ایضاً، ج: 3، ص: 447
- 28۔ ایضاً، ج: 3، ص: 260
- 29۔ ایضاً، ج: 1، ص: 241
- 30۔ ایضاً، ج: 3، ص: 255
- 31۔ ایضاً، ج: 3، ص: 234
- 32۔ ایضاً، ج: 2، ص: 612
- 33۔ ایضاً، ج: 3، ص: 130
- 34۔ فراہی، حمید الدین، مولانا، حقیقتِ دین، دارالتذکیر، لاہور، 1998ء، ص: 72
- 35۔ ترجمان القرآن، ج: 3، ص: 148